بلونت سنگھ کا افسانوی انفراد

شہاب ظفر اعظمی

شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ۔800005،موبائل:9431152912

بلونت سنگھ ہمارے عہد کے ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے فن پر ان کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی کم ہی لکھا گیا ہے۔اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً ان کا گوشہ نشیں ہونا،ادبی مجلسوں اور مباحثوں سے لاتعلقی ظاہر کرنا یا مزاج کے اعتبار سے خاموش،متین اور اپنی دنیا میں کھویا ہوا رہنا۔اس کے باوجود ان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ متفقہ طور پر اردو کا ایک منفرد اور ممتاز افسانہ نگار ثابت کرتا ہے۔وہ بلا شبہ باکمال افسانہ نگار تھے،جن کے قلم سے چند ایسے لازوال افسانے خلق ہوئے کہ ان کے ذکر کے بغیر اردو افسانے کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ان کے افسانے اس عہد کے سر برآوردہ ادیبوں کے علاوہ عام قاری کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتے تھے اس لیے رسالوں میں انہیں کرشن چندر،منٹو اور عصمت کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی۔

بلونت سنگھ نے ہندی اور اردو میں تقریباً ڈھائی تین سو کہانیاں لکھیں جن میں موضوعات کی رنگارنگی ملتی ہے اور ہیئت و تکنیک کے تجربات بھی۔ڈکشن کی تلاش ہے اور اسلوب و اظہار کی نیرنگی بھی۔اس کے باوجود بالعموم بلونت سنگھ کو ایک رومانی افسانہ نگار سمجھا جاتا رہا ہے۔جبکہ بلونت سنگھ کے مشہور و مقبول افسانوں کی ہی ساخت کھولی جائے تو ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ بات جتنی صحیح ہے اتنی ہی غلط بھی۔بلونت سنگھ ایک سفاک حقیقت نگار بھی تھے اور سکھ نفسیات یا پنجابی تہذیب و ثقافت کے بہترین ترجمان بھی۔انھیں نہ صرف بیانیہ پر بے مثال قدرت حاصل تھی بلکہ ذخیرۂ الفاظ نہایت وسیع اور مشاہدہ بہت کھرا تھا۔وہ انسانی کائنات کو ایک ناقابل تقسیم وحدت کے طور پر دیکھنے کے عادی تھے اس لیے ان کے یہاں انسانی جذبوں اور تجربوں کا حیران کن تنوع ملتا ہے۔میں نے ان کے صرف مشہور و مقبول افسانے مثلاً جگاّ، گرنتھی، دیمک، پنجاب کا البیلا، کالی تیتری، سزا، پہلا پتھر، چاند اور کمند، تین چور، پورا جوان، ویلے ۸۳، گمراہ، نہال چند اور کٹھن ڈگریا کا مطالعہ کیا تو پایا کہ بلونت سنگھ کی افسانہ نگاری کے تین زاویے ایسے ہیں جو ان کے فن کو قوس قزح کے رنگوں سے مزین کرتے ہیں۔

اول موضوعات کا تنوع

دوم کردار نگاری

سوم فضا سازی

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے،بلونت سنگھ کا مطالعہ و مشاہدہ بیحد وسیع ہے جس میں سکھ سائیکی، پنجاب کے متوسط طبقے کی معاشرتی زندگی، دیہات کے مسائل،معصومیت کا استحصال،اقدار کی تذلیل،عشق کی نیرنگی، پنجابیوں کی فطرت، مذہبی ریاکاری اور تصنع،تقسیم ہند اور فسادات اور مشترکہ تہذیب کی بقا وغیرہ اہم ہیں۔بنیادی طور پر بلونت سنگھ نے اردو افسانے کو سکھ قوم کے معاشرتی مزاج،سائیکی اور ان کی جمالیاتی حس کا ترجمان بنایا ہے۔وہ مزاج جو برہمی، جلال،قوت، انانیت اور حقیقت پسندی جیسے رویوں سے تشکیل پاتا ہے اور اس جمالیاتی حس کی تربیت کرتا ہے جس میں نظریں حسن کو باطن کی گہرائیوں میں ڈھونڈنے کا سلیقہ رکھتی ہیں اور یہ احساسِ جمال بلونت سنگھ کے سیدھے سادے کرداروں کے توسط سے زندگی کی معنویت اور رعنائی کو آب و تاب عطا کرتا ہے۔جگاّ، پورا جوان، تین چور، چاند اور کمند، چکوری اور سمجھوتہ وغیرہ اسی قبیل کی کہانیاں ہیں۔اِن میں 'جگا' ان کی سب سے مشہور کہانی ہے جو انسان کی فطری معصومیت،حُسن کی طہارت اور عشق کی تاثیر کی معنیٰ خیز دستاویز ہے۔پوری کہانی جگا ڈاکو کے گِرد بنی گئی ہے،اِس سے رومان الگ کرلیں تو کچھ نہیں رہ جاتا،لیکن یہ رومان محض رومان نہیں بلکہ زندگی کی جڑوں سے وابستہ اور حقیقت کی سطح رکھتا ہے۔ڈاکو جگا رات کو ایک گاؤں سے گزرتے ہوئے رہٹ پر پیاس بجھانے کے لیے رکتا ہے تو 'گرنام' جیسی معصوم،الھڑ اور اپنی اداؤں سے بے خبر دوشیزہ پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔اجڈ اور ہیبت ناک Out look والا جگاّ بات کرتا ہوا نہ صرف گرنام کے گھر جاتا ہے بلکہ رات بھی وہیں گزارتا ہے۔گُرنام اس کے زیور اور موتیوں کے ہار دیکھ کر طفلانہ بھولپن سے چہکتی رہتی ہے۔صبح

رخصت کرتے ہوئے باپو جب اس کا نام جاننا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار کسی کومت بتانا کہ رات جگا ڈاکو تمہارا مہمان تھا۔ جگا کا نام سن کر باپو لرز جاتا ہے، کیوں کہ اس نام سے بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔اس واقعے کے بعد وہ اکثر رات میں آتا ہے اور صبح چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں نے سنا کہ اس نے ڈاکہ زنی ترک کر دی ہے۔ دراصل وہ خود کو نیک اور گرنام کے قابل بنانا چاہتا ہے۔ جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ گرنام تو دلیپ سنگھ کو پسند کرتی ہے تو وہ دلیپ سنگھ کو مار دینا چاہتا ہے، مگر رفتہ رفتہ اسے احساس ہوتا ہے کہ گرنام کا جذبہ صادق ہے۔ بالآخر خود جگا دلیپ سنگھ کو لاکر گرنام سے شادی کے لیے پیش کر دیتا ہے اور جگا ایک بار پھر ایک خونخوار ڈاکو جگت سنگھ وِرک بن جاتا ہے۔اس کہانی میں سارے عناصر کی تشکیل رومانی اجزا سے ہوئی ہے۔ مردانگی، بہادری، تشدد، دلیری، ڈاکہ زنی، بے لوث محبت، گرنام کا ملکوتی حسن، معصومیت، الھڑپن، جگا کی پراسرار، بدوضع، بھیانک اجڈ شخصیت لیکن نیک دلی، قول پر جان قربان کر دینے اور محبت کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کا جذبہ، غرض کہ پلاٹ، کردار، منظر نگاری، مکالمے سب رومانی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان رومانی عناصر نے کہانی کو شہکار کا درجہ دے دیا ہے۔ جگا اور گرنام کے وسیلے سے بلونت سنگھ نے انسانی فطرت کے نہایت معصوم اور معنی خیز رویوں کو آشکار کیا ہے اور ساتھ ساتھ پنجاب کے تہذیبی عناصر کو بھی نہایت فنکارانہ انداز سے کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ حُسن، عشق، معصومیت اور رومانی طرز احساس پہ مبنی ایسے موضوعات رنگ، چکوری، پتھر کے دیوتا، سکوت، سمجھوتہ، گھر کا راستہ اور حور کی پوتی کا افسانہ محبت جیسی کہانیوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

افسانہ ''گرنتھی'' انسان کی معصومیت، مذہب کے نام پر استحصال اور طاقت و کمزوری کے تصادم جیسے خیالات کو مرکزی طور پر پیش کرتا ہے۔ اس میں کوئی غیر معمولی نفسیاتی نکتہ نہیں مگر سکھوں کی دیہاتی اور مذہبی زندگی کے ساتھ کردار نگاری پر مہارت کا جیسا اظہار ہوا ہے وہ منٹو کی کہانی منتر، کرشن چندر کی آنگی اور کالو بھنگی اور بیدی کے بھولا کی یاد دلاتا ہے۔ اس میں سادگی اور پرکاری کی ایسی خوبیاں ہیں جو کہانی کو پراثر بنا دیتی ہیں۔

گرنتھی ایک سیدھا سادہ بھولا آدمی ہے، جس کا کام گردوارے میں پاٹھ کرنا اور پرشاد بانٹنا وغیرہ ہے۔ گرنتھی پر الزام ہے کہ اس نے گردوارے میں رہنے والی گرہستن لاجو کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے چھیڑ چھاڑ کی۔ چنانچہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کل شکرات کا کام نپٹا کر پرسوں گرنتھی کو چلتا کر دیا جائے۔ گرنتھی اور اس کی بیوی کو معلوم ہے کہ جو الزام لگایا گیا ہے وہ بے بنیاد ہے، لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ لاجو کے لگائے گئے الزام کی وجہ سے گرنتھی کو گردوارہ چھوڑنا پڑ رہا تھا اور وہ وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ یہی اس کی پناہ گاہ تھی۔ ایک عرصے تک ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ اس گردوارے میں گرنتھی مقرر ہوا تھا، یہاں اس کو فراغت حاصل تھی۔ کہانی کا محور گرنتھی کی ذات اور مستقبل کی تشویش ہے۔ ساری کہانی اسی فکرمندی اور پریشانی کے گرد گھومتی ہے۔ ایک کے بعد ایک کئی واقعات روزمرہ کے معمولات اور گاؤں کی فضا کے سہارے بڑی خوبصورتی سے کہانی ایک تجسس کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ مایوسی کے عالم میں وہ دن بھر سارے معمولات انجام دینے کے بعد آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ شاید کسی غیبی مدد کا طلب گار ہے۔

> ''گرنتھی کھوئی ہوئی نظروں سے افق کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔ جیسے آسمان سے کوئی نورانی صورت نمودار ہوگی''

اور سچ مچ صورت نمودار ہو جاتی ہے بنتا سنگھ کی۔ جو کسی عورت کو اغوا کرنے کے جرم میں ڈیڑھ برس قید بامشقت بھگت کر کل ہی اپنے گاؤں واپس آیا تھا۔ وہ گرنتھی کی بپتا سن کر اعلان کرتا ہے:

> ''میں دیکھ لوں گا۔ کون مائی کا لال تم کو نکالنے کے لیے یہاں آتا ہے''

اور دوسرے روز یہ خبر صبح ہی صبح پھیل جاتی ہے کہ گرنتھی بیچارہ تو معصوم ہے، ساری غلطی لاجو کی تھی اور پھر سب لاجو کو گالیاں دینے لگتے ہیں 'حرام زادی، مفت میں بے چارے گرنتھی پر الزام لگایا'۔

افسانہ نگار کہنا چاہتا ہے کہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہی ممکن ہے۔ بے چارے گرنتھی کے پاس نہ تو جسمانی طاقت ہے اور نہ روحانی۔ کہانی میں طنز بھی ہے ان مذہبی اداروں پر جو طاقت کا ڈھونگ رچا کر عام انسانوں کا استحصال کرتے ہیں۔

مذہب کو طاقت اور دولت کا ذریعہ بنانے والوں اور انسانی فطرت کے پست پہلوؤں کی عکاسی کرنے والی ایک بے مثال کہانی ''وبیلے ۳۸'' بھی ہے۔ دراصل وبیلے ۳۸ ایک پستول کا نام ہے۔ تقسیم ملک کے وقت ہوئے فسادات اس افسانے کا پس منظر ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کا شہر پوری طرح اجڑ چکا ہے۔ ایک طرف ہجرت کرنے والوں کے مکانوں کے کھنڈر تباہی اور بربادی کی داستان کہتے ہیں تو

دوسری طرف ٹوٹے پھوٹے مکان اور غیر آباد گلیاں پنجاب سے آئے ہوئے ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کی پناہ گاہ ہیں۔ انھی میں سے ایک سردار بسا کھا سنگھ ہے جو مغربی پنجاب کا ایک دولت مند زمیندار تھا۔ اس کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جن کی شادی کی اسے بڑی فکر ہے۔ یہاں بسا کھا سنگھ کی ملاقات سردار بدھ سنگھ سے ہوتی ہے جو صبح شام پاٹھ کرتے، مالا جپتے اور سکھ منی صاحب پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی تلقین کرتے تھے۔ فسادات کے بعد جب پانسا پلٹا تو انہوں نے دہشت زدہ بھاگنے والے مسلمانوں کی جائدادیں کوڑیوں کے مول خرید لیں اور پھر شرنارتھیوں کے ہاتھوں زیادہ سے زیادہ داموں پر بیچ کر خوب منافع کمایا۔ اسی کے ساتھ پاٹھ میں بھی شدت آئی اور سردار بدھ سنگھ کا چہرہ نورِ معرفت سے چمکنے لگا۔ بسا کھا سنگھ دن رات محنت مزدوری کرتا، لیکن کنبہ کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔ سردار بدھ سنگھ کے پوجا پاٹھ سے وہ بہت متاثر تھا۔ بسا کھا سنگھ کی خواہش تھی کہ کہیں سے دو چار سو روپیہ مل جائے تو چھوٹی موٹی دکان ہی کھول لے، لیکن مدد مانگنے پر بدھ سنگھ کہتے ’بسا کھا سنگھ جی! گردوارے جایا کرو، پاٹھ کیا کرو، شردھا رکھو، گورو کے گھر میں کیا نہیں ہے جو مانگو گے ملے گا۔‘ بسا کھا سنگھ کے گھر میں کئی بار کھانا نہیں بنتا، بچے بلکتے، لیکن وہ بلا ناغہ بدھ سنگھ جی کے درشن کرتا، روز ان کی باتیں بڑے دھیان سے سنتا، لیکن رفتہ رفتہ اسے یہ باتیں عجیب معلوم ہونے لگیں۔ ایک شام گرو گرنتھ صاحب کا پرکاش کیا گیا تھا۔ پروگرام کے بعد سردار بدھ سنگھ نے بسا کھا سنگھ کو بتایا کہ انھوں نے ایک پستول خریدی ہے ویبلے ۳۸۔ آٹو میٹک۔ وہ پستول کی خوب تعریف کرتے ہیں۔ ’چودہ سو میں تو سستا ہی مل گیا، آٹھ کارتوس اور ایک میگزین ہے۔‘ دیکھنے کے لیے وہ پستول بسا کھا سنگھ کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں اور یہیں سے افسانہ بدل جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے ایک طرف چودہ سو کا پستول، وہ بھی بدھ سنگھ کے لیے سستا اور دوسری طرف روٹیوں کے لالے۔ بسا کھا سنگھ کہتا ہے ’’جانے کون سے گیان دھیان کی آپ باتیں کرتے ہیں۔ مذہب صرف دو ہیں۔ ایک خون چوسنے اور لوٹنے والوں کا اور دوسرا اپنا خون دینے اور لٹنے والوں کا۔‘‘ سردار بدھ سنگھ ہڑبڑا کر چارپائی سے اٹھتے ہیں تو تپائی سے دھکا لگ کر لیمپ گر جاتا ہے اور غالیچے میں آگ لگ جاتی ہے۔ سیڑھیوں کا راستہ بند ہے، سامنے بسا کھا سنگھ کھڑا ہے۔ بلونت سنگھ نے افسانے میں نہایت دلچسپ لیکن تلخ تضاد پیش کیا ہے۔ بدھ سنگھ کالے کرتوتوں سے دولت کماتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اس کی پوجا پاٹھ کا پھل ہے۔ دولت میں سے وہ بسا کھا سنگھ کو کوڑی نہیں دیتا لیکن جاپ، پاٹھ اور دعاؤں پر اسے لگا دیتا ہے جس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بچے بھوکے رہتے ہیں اور بیٹیاں بیاہ کے انتظار میں گھر میں بند ہیں۔ بسا کھا سنگھ کا رد عمل دراصل ریاکاری، مذہبی استحصال اور منافقت کے خلاف احتجاج ہی نہیں قدرت سے انصاف کی طلب کا اعلامیہ بھی ہے۔

بلونت سنگھ کے یہاں موضوعات کا تنوع حیرت انگیز ہے۔ انھوں نے بڑے بڑے مسائل اور تغیرات کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں، معمولی اور غیر اہم حادثوں کو بھی افسانے کا موضوع بنایا ہے، جو بظاہر عام اور غیر اہم ہوتے ہیں مگر ان کے بطن سے انسانی ہمدردی، مساوات، قدروں کی پاسداری کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور استحصال، بے بسی، غریبی، بھوک جیسے مسائل اور حالات کا جبر قاری کو دعوت فکر وعمل دیتے ہیں۔ بیمار، کالی تیتری، تین چور، بابا مہنگا سنگھ، دیمک، بازگشت، اس کی بیوی، خوبصورت موڑ اور اعتراف جیسے افسانے اسی زمرے میں آتے ہیں۔

افسانہ ’بیمار‘ میں انھوں نے نچلے متوسط طبقہ کی بے رونق زندگی کا پُر تاثیر نقشہ کھینچا ہے۔ ایسا ہی افسانہ ’دیمک‘ بھی ہے، جس میں مشترکہ خاندان کے بے حس لوگوں، چڑچڑے بچوں اور کبھی ختم نہ ہونے والے گھریلو کاموں میں گھری عورت کی کھوکھلی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ دیہات کے تعلق سے زمینداروں کی ذہنیت، کھیتی باڑی جاگیردارانہ معیشت، مفلسی، جہالت اور ان سے پیدا ہونے والے حالات بھی بلونت سنگھ کا موضوع بنے ہیں۔ بابا مہنگا سنگھ، کالی تیتری، پنجاب کا البیلا، تین چور اور جگا جیسے افسانوں میں ان حالات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شہر کی طرف بلونت سنگھ نے رُخ کیا تو بے روزگاری، بے کاری کے بوجھ تلے دبا انسان، کلرک، مزدور، بیوپاری، وکیل، افسر، لیڈر اور ان سب سے جڑی ہوئی طبقاتی کشمکش نے انھیں سوچنے پر مجبور کیا جس کے نتیجے میں دیمک، کٹھن ڈگریا، بابو مانک لعل، سمجھوتہ، لمحے اور بازگشت جیسی کہانیاں وجود میں آئیں۔ یہاں کچھ پالینے کی ہوس اور کچھ کر لینے کی آرزو نے انسانی رشتوں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اس کی بیوی، خوبصورت موڑ اور اعتراف جیسے افسانوں میں بلونت سنگھ نے شہر کی کھوکھلی ازدواجی زندگی کی ترجمانی کی ہے۔ جب کہ معاشی اور سماجی مسائل سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو بڑی معنیٰ خیزی کے ساتھ سہارا، کمپوزیشن ٹیچر اور بیمار وغیرہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خودداری کی بقا اور غیرت کو انھوں نے افسانہ خوددار، تلچھٹ اور بابو مانک لعل میں برتا ہے تو شہر کی بھیڑ میں تنہائی کے المیے کو انھوں نے بے حد خوبصورتی سے پتھر کے دیوتا اور مہمان جیسے افسانوں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جنس اردو افسانے کا بڑا نازک مگر اہم موضوع رہا ہے۔ بلونت سنگھ نے اس موضوع کو بھی دوسروں سے بالکل الگ مگر انسان کے لیے ایک زبردست قوت کے طور پر برتا ہے۔ جنس اور نفسیاتی پیچیدگیاں انسانی شخصیت کو کیسے کیسے رنگ عطا کرتی ہیں اسے بلونت سنگھ کے افسانے نینا، چکوری، بازگشت، سوماسنگھ اور کٹھن ڈگریا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چکوری کی مرکزی کردار 'نزہت' میں محض ایک اجنبی مردانہ آواز سن کر ہی جنسی بیداری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ زندگی کے انوکھے اور اچھوتے تجربے سے دوچار ہوتی ہے۔ اسی طرح بازگشت کی عائشہ منیر احمد کی تمام دیکھ ریکھ اور پابندی کے باوجود اس کے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔ افسانہ سورما سنگھ بھی جنسی شعور کی انوکھی پیش کش ہے۔ اس افسانے کا کردار نابینا ہونے کے باوجود اس احساس سے انجان نہیں اور کبھی کبھی تو صرف لطیف اشاروں سے ہی وہ اس جذبے کی مہک کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے مگر اس سلسلے میں سب سے دلچسپ افسانہ 'کٹھن ڈگریا' ہے جس میں بلونت سنگھ نے مرد کے ساتھ عورت کی جنسی نفسیات اور کیف و نشاط کے حصول کی خواہش کو گتھے ہوئے بیانیہ اور نئے اظہار واسلوب میں پیش کیا ہے۔ رکھی رام ادھیڑ عمر کا بزنس مین ہے۔ شادی کو کئی برس گزر گئے، تین بچوں کا باپ ہے، بیوی شانتا خوبصورت ہے مگر پہلی سی کشش باقی نہیں رہی۔ بیج ناتھ رکھی رام کا دوست ہے جس کی بیوی کامنی رفتہ رفتہ رکھی رام کے لیے باعث کشش بن جاتی ہے۔ دونوں گھرانوں میں خاصے مراسم ہیں۔ ایک دن رکھی رام کاروبار کے سلسلے میں ایک آدمی کے پاس دہلی جانے کے لیے تیار تھا کہ دہلی سے اُس آدمی کے آنے کی اطلاع مل جاتی ہے۔ رکھی رام سفر ملتوی کر دیتا ہے اور نہا دھو کر تیار ہو کر یہ کہتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے کہ وہ رات کا کھانا باہر ہی کھائے گا۔ بیج ناتھ کے گھر پہنچتا ہے تو خود بیج ناتھ کہیں جانے کی تیاری میں ہے۔ رکھی رام کہتا ہے کہ میں تو یونہی ادھر چلا آیا تھا تم کہیں جا رہے ہو تو چلو پھر سہی، لیکن بیج ناتھ اس کو روکتے ہوئے کہتا ہے کہ اتنی دور سے آئے ہو تو تھوڑی دیر رکو، میری کہیں دعوت ہے، ایک گھنٹے میں لوٹتا ہوں تو پھر تاش کی بازی جمے گی۔ میری واپسی تک رکو اور کھانا یہیں کھا لو۔ رکھی رام کو تو منہ مانگی مراد مل گئی۔ بیج ناتھ کے جانے کے بعد وہ سرتاپا نشے میں ڈوبتے ہوئے کامنی کی بانہوں میں سما گیا، مگر کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔ کہانی کا آخری اور سب سے اہم موڑ وہاں آتا ہے جب رکھی رام خوش خوش بیج ناتھ کے گھر سے لوٹتا ہے اور نکڑ کے پنواری کے پاس سگریٹ سلگانے کے لیے رک جاتا ہے اور عادتاً پنواری سے پوچھتا ہے کہ مجھ سے ملنے کوئی آیا تو نہیں تھا۔ پنواری کہتا ہے:

''بیج ناتھ بابو آئے تھے، آپ کا انتجار کر کے چلے گئے۔''

بیج ناتھ؟

''ہاں، بیج ناتھ بابو۔''

وہ سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ گھر کا راستہ وہ بہت دھیرے دھیرے طے کرتا ہے۔ اندر داخل ہوتا ہے تو شانتا ترو تازہ اور اُجلی دکھائی دے رہی ہے۔ صوفے پر بیٹھتے ہی پوچھتا ہے ''شنو آج تم بہت خوش دکھائی دے رہی ہو' وہ بلا کچھ کہے نرمی سے اس کے کندھے پر رخسار رکھ دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے ''میں بھی بہت خوش ہوں۔''

یہ ایک بے حد گٹھی ہوئی کہانی ہے، جس میں ایک لفظ بھی فاضل نہیں اور بیانیہ میں بہاؤ بھی غضب کا ہے۔ کہانی میں جو کیفیت ہے وہ افسانہ نگار کی ہنرمندی کی ایک اعلیٰ سطح سامنے لاتی ہے۔ اخلاقی یا غیر اخلاقی تعبیر سے قطع نظر اس کہانی کو نفسیاتی کہانی کے طور پر یا جمالیاتی کیف و نشاط کے متن کے طور پر پڑھا جائے تو ادب میں ندرت یا تازہ کاری کی ایک نئی شکل کا ظہور ہوتا ہے۔ ایسی ہی کہانیوں کی وجہ سے بلونت سنگھ بطور افسانہ نگار نہ صرف کامیاب ہیں بلکہ بار بار پڑھے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

بلونت سنگھ کی دوسری بڑی خوبی ان کی کردار نگاری ہے۔ ان کے اکثر کردار خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں بسنے والے فرضی کردار نہیں ہیں بلکہ پنجاب کی مٹی سے اُبھرے ہوئے سیدھے سادے، دلیر، جانباز اور زندہ دل انسان ہیں، جن کے افعال نہ تو انھیں دیوتا کا روپ دے کر عقیدت اور پرستش کی شکل میں ابھارتے ہیں اور نہ ہی شیطان کی شکل دے کر انھیں نفرت کے قابل بناتے ہیں۔ بلکہ تمام انسانی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ ان کی حقیقی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ یہ کردار اپنے وحشی مزاج، دلیری اور کھردرے پن کے باوجود دل میں اتر جاتے ہیں۔ لمبے، چوڑے اور چٹانوں جیسے مضبوط، جنگجو، گرانڈیل، سانڈنی سوار، قدآور ڈاکو، میلوں تک دوڑنے والے چور اور شوریدہ سر نوجوان بلونت سنگھ کے پسندیدہ کردار ہیں، جنھیں انھوں نے زندگی کی بھیڑ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بلونت سنگھ کے نمائندہ کرداروں میں بیشتر کردار مردوں کے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں جس طرح ٹھاکروں، ڈاکوؤں اور کسانوں کا کردار پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، لیکن ان کے نسوانی کردار حقیقی ہوتے ہوئے بھی زندگی کی اِس رمق اور شدت سے محروم ہیں اور اسی لیے وہ ان کے مردانہ کرداروں سے

پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ہمیں جگّا پہلے یاد آتا ہے گرنام کور بعد میں۔ 'پہلا پتھر' کے واقعات ہم یاد نہیں بھی رکھ سکتے ہیں مگر باجے سنگھ ہمارے شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔ جسّا سنگھ، بابا مہنگا سنگھ، بساکھا سنگھ، گاما، پھلورا سنگھ، بلا کا سنگھ اور نواب سنگھ جیسے کرداروں کو ہم نہیں بھولتے مگر ان کی محبوبہ پرسی، مہندری، لاجی یا کمہارن وغیرہ زیادہ دور تک ہمارے ساتھ نہیں چل پاتیں۔ اگرچہ بلونت سنگھ نے سمجھوتہ، دیمک، چکوری، مداوا اور لمس جیسے افسانے بھی لکھے جن کے نسوانی کردار اردو ادب کے بہترین کرداروں کی صف میں کھڑے کیے جاسکتے ہیں، لیکن ان کے اس نوعیت کے افسانوں کی تعداد ہی کتنی ہے، جن میں مرکزی کردار عورت کا ہو؟ یا عورت ایک ناقابل فراموش کردار بن کر ابھری ہو۔ بلونت سنگھ کے افسانوں میں ابھرنے والی عورت یا تو تشنہ کام بیوی ہے یا بلا کی حسین اور صحت مند محبوبہ، لیکن ان کے مردانہ کرداروں کا اجڈپن اور ان کے مزاج کی خونخواری کے نقش ذہن پر نسوانی کرداروں کی نزاکت ونفاست کے تاثر سے زیادہ دیرپا اور پراثر ہوتے ہیں۔ شاید اسی لیے بلونت سنگھ کے وہ افسانے زیادہ مشہور ہوئے جن میں غیر معمولی قد وقامت اور مردانہ خوبیوں کے حامل سکھ کردار سامنے آتے ہیں۔

کرداروں کے ذکر کے ساتھ ہی ان کی کہانیوں کی وہ ثقافتی فضا بھی اہمیت رکھتی ہے جو ان کے موضوعات اور کرداروں کو جمالیاتی طور پراثر آفریں بناتی ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ:

> ''بلونت سنگھ کے یہاں کردار فقط کردار نہیں یا واقعات محض واقعات نہیں، بلکہ سب کچھ اس وسیع منظرنامے سے پرتشکیل پاتا ہے جس کو ثقافتی جغرافیہ کہنا چاہیے۔ بلکہ اس میں قصبوں کی فضا، مٹی کی بوباس تو ہے ہی، لیکن فقط کھیت کھلیان یا سرسوں کا پھول ہی نہیں، طور طریقے، رہن سہن، پوجا پاٹھ، شبد کیرتن، میلے ٹھیلے، تیج تیوہار، گانا بجانا، رسمیں عقیدے، جس سے پوری سائیکی عبارت ہے۔ یہ کردار زندہ اس لیے لگتے ہیں کہ یہ اپنے ثقافتی خلقیے میں سانس لیتے ہیں اور ثقافتی خلقیہ اور سائیکی ان میں سانس لیتی ہے۔''

(فکشن شعریات ص:۱۵۳)

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بلونت سنگھ کے افسانوں میں فضا سازی خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ افسانوں کے مختلف اجزا چاہے وہ کردار ہوں یا ماحول، موضوع ہو یا پلاٹ، مواد ہو یا بیان سب کے سب ایک مخصوص فضا سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، جو پنجابی ثقافت، سکھ تہذیب، مذہب، عقائد، اعمال، رسم ورواج اور ان کے احساس جمال پر مشتمل ہے۔ وقار عظیم نے بلونت سنگھ کے افسانوں کی فضا کو پنجاب کی دیہی فضا قرار دیا تھا، مگر میرا خیال یہ ہے کہ وہ بالخصوص پنجاب کے جاٹ سکھوں کی تہذیب وثقافت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ جگّا، کالی تیتری، پنجاب کا البیلا، گرنتھی، سزا، بابا مہنگا سنگھ اور تین چور وغیرہ افسانوں میں انہوں نے جن کرداروں کو مرکزیت عطا کی ہے وہ جاٹ سکھ ہیں اور جو فضا تشکیل دی ہے وہ جاٹ قبیلے، پنجاب کے دیہات اور اُس پنجابی ثقافت کی نشاندہی کرتی ہے، جہاں ایمانداری ہے، امنگ ہے، بے خوفی ہے، بہادری ہے، ولولے ہیں، جوش ہے۔ جہاں نیکی اور بدی دونوں حوالوں سے انسان کی شناخت آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ بلونت سنگھ کے افسانوں میں سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی کی جیسی ترجمانی ملتی ہے وہ بیدی کے یہاں نظر نہیں آتی۔ بیدی کے یہاں ہندو دیوی دیوتاؤں پر خاص زور دیا گیا ہے اور بیدی کا افسانہ تہذیبی فضا بندی سے بہت آگے تک جاتا ہے۔ جب کہ بلونت سنگھ کے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ان کے افسانہ ''گرنتھی'' میں سکھوں کی معاشرتی زندگی اور مذہبی زندگی کی جھلک پورے طور پر نمایاں ہے۔ گرنتھی کی ساری معنویت گردوارے کی زمینی اور روحانی فضا اور گوردوارے کے ثقافتی معمولات سے ہے۔ تین چور، جگّا، ہندستان ہمارا، سزا اور ویلے ۳۸ میں بھی فضا سازی کے لیے اسی تہذیب وثقافت کو کلید بنایا گیا ہے، جس کے حوالے سے نہ صرف مضبوط بیانیہ متشکل ہوتا ہے بلکہ افسانے کو جمالیاتی ترفع بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ موضوعات کے تنوع، کرداروں کی رنگارنگی، سکھ سائیکی اور تہذیبی فضا سازی کے حوالے سے بلونت سنگھ کے افسانے دنیائے افسانہ میں ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانے اپنی خوبصورت نثر، صاف وشفاف رواں دواں بیانیہ، زندہ منظر نگاری اور شگفتگی وشیفتگی کے باعث ہر لحظہ ہماری جمالیاتی حس کو نہ صرف مسرت عطا کرتے ہیں بلکہ بلونت سنگھ کی فن افسانہ پر دسترس، تکنیکی مہارت اور قصہ سازی کی صلاحیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ وارث علوی جیسے سخت اور محتاط ناقد کے اس قول سے شاید ہی کوئی اختلاف کر سکتا ہے کہ ''وہ اپنے وقت کے مقبول افسانہ نگاروں میں سے ایک تھے اور بلاشبہ وہ اردو کے صف اول کے افسانہ نگار ہیں۔''

○○

○○